علامہ ڈاکٹر خالد محمود برمنگھم

حدیث ماننے کے آداب

حضور صلی اللہ علیہ کے ارشادات کے سامنے اپنی بات نہ چلائے

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بات کا فیصلہ فرمادیں تو کسی مردِ مومن یا مومنہ عورت کو یہ حق نہیں رہتا کہ آپ کے ارشادات کے سامنے وہ اپنی بات چلائیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم (پ۲۲ الاحزاب ع۶)

ترجمہ: "اور نہیں کسی مردِ مومن کے لیے اور نہ کسی مومن عورت کے لیے اپنے معاملے کا کوئی اختیار بعد اس کے کہ خدا اور اس کا رسول اس کام کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کریں۔"

حدیث کو قبول کرنے کا جذبۂ اطاعت

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو قبول کرنے میں دل میں تنگی نہ ہونی چاہیئے مومن کو چاہیئے کہ آپ کے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول کرے اور آپ کے ہر حکم کو ظاہراً و باطناً تسلیم کرے۔ ایسا نہ کرے گا تو اس کے ایمان کا کہیں اعتبار نہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنة او یصیبھم عذاب الیم۔

ترجمہ: "سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا کہ آپڑے ان پر کوئی فتنہ یا پہنچے ان کو کوئی دردناک عذاب"[1]

ایک یہودی اور ایک منافق میں کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ فیصلے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنایا گیا جب دونوں آپؐ کی خدمت میں آئے اور مقدمہ پیش کیا تو آپ نے اس یہودی کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ وہ منافق اس فیصلہ سے مطمئن اور راضی نہ ہوا، اس نے کہا کہ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں چلتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو فیصلہ کرنے سے پہلے اس یہودی نے بتادیا کہ ہم حضور علیہ السلام کے پاس سے آرہے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس منافق سے اس بات کی تصدیق کی۔ پھر حضرت عمرؓ تلوار لے کر آئے اور اس منافق کو تہہ تیغ کر ڈالا اس مقتول کے اولیاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا کہ انہوں نے ایک مسلمان کو بلاوجہ قتل کیا ہے۔ جب یہ استغاثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپؐ کی زبان مبارک سے بھی بے ساختہ یہ الفاظ نکلے۔

---

[1] پ ۱۹ : النور، ع ۹

ماکنت اظن ان عمر یجترء علی قتل رجل مومن ؎۱

ترجمہ: "مجھے گمان تک نہ تھا کہ عمر بھی کسی مومن کے قتل کی جسارت کرے گا۔"

لیکن جب اس آیت کریمہ (فلا وربک لا یومنون الخ) کا نزول ہوا تو حقیقت واضح ہوگئی کہ وہ شخص مومن ہی نہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان حضرت عمرؓ کے بارے میں بالکل درست تھا کہ وہ کبھی قتل مومن کے مرتکب نہ ہو سکتے تھے۔

حضرات مفسرین نے اس آیتِ کریمہ کے تحت یہ بات لکھی ہے کہ یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے ساتھ ہی نہیں، آپ کے بعد آپ کی شریعت مطہرہ کا فیصلہ آپ کا ہی فیصلہ شمار ہوگا۔ سو یہ حکم قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔ آپ کے زمانہ مبارک میں خود بلا واسطہ آپ سے رجوع کیا جاتا تھا۔ سو آپ کے بعد آپ کی شریعت مطہرہ کی طرف رجوع جاری رہے گا اور یہ حقیقت میں آپ کی طرف ہی رجوع ہے۔ فردوہ الی اللہ والرسول رپ: النساء) پر اب اسی صورت میں عمل ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی طرف رجوع اللہ کی طرف رجوع سمجھا جائے اور حدیث کی طرف رجوع خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع مانا جائے۔ ورنہ یہ آیت اس باقی امت کے لیے بیکار ہو کر رہ جائے گی۔ اور قیامت تک لائق عمل نہ ٹھہرے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کے فیصلے آپ کی وفات کے بعد بھی پوری امت کے لیے حجت ہیں۔ آپؐ کی کسی حدیث پر اپنی رائے سے اعتراض کرنے بیٹھ جانا بہت نادانی ہے

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔ "آدابِ نبویؐ میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و عمل پر اپنی رائے سے اعتراض اور شک وشبہ نہ کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے اپنی رائے پر اعتراض اور شک وشبہ کرلو اور قیاس سے نص کا مقابلہ نہ کرو بلکہ قیاس کو نص کے تابع کرو اسے اس کے مطابق بناؤ۔ قیاس کے صحیح ہونے کی شرط ہی یہ ہے کہ وہ نص کے مقابلہ میں نہ ہو۔" ؎۲

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ "رسولؐ کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنا جب عمل کو اکارت کر دیتا ہے تو اس کے احکام کے سامنے اپنی رائے کو مقدم کر دینا اعمالِ صالحہ کے لیے کیونکر تباہ کن نہ ہوگا۔" ؎۳

حدیث رسولؐ سامنے آئے تو اس سے بڑی سند نہ مانگیے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کر دی جائے تو مغرب زدہ لوگ بعض اوقات کہنے لگتے ہیں کہ یہ بات قرآن میں کہاں ہے؟ انہیں حدیث سے بڑی سند کی ضرورت ہوتی ہے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے حدیث کو

؎۱ تفسیر جلالین ص۱۷۲ ؎۲ مدارج النبوت جلد ۱ ص ۵۱۲

؎۳ ترجمان السنۃ جلد ۱ ص۱۴۲ نقلاً عن اعلام الموقعین جلد ۱ ص۴۲۔

خود ایک بڑی دلیل سمجھنا چاہیئے جسے اور دلیل کی حاجت نہیں نہ اس پر کسی بالا سند کا تقاضا کیا جانا چاہیئے۔

حضرت مقدام بن معدی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یوشك الرجل متكئا على اريكته يحدث بحديث من حديثى فيقول بيننا و بينكم كتاب الله عز وجل فما وجدنا فيه من حلال استحللناه وما وجدنا فيه من حرام حرمناه الا وان ما حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل ما حرم الله [1]

ترجمہ: قریب ہے کہ ایک شخص جس کے پاس میری حدیث بیان کی جا رہی ہو اپنے صوفے پر ٹیک لگائے (بڑے تکبر سے) کہے ہمارے تمہارے لیے اللہ کی کتاب ہی ہے اس میں جسے حلال کیا گیا اسے ہم حلال سمجھیں گے اور جو چیز اس میں ہم حرام پائیں اسے ہی حرام سمجھیں گے بے شک جو چیز اللہ کے پیغمبر نے حرام بتلائی وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ چیز جسے اللہ نے حرام بتلایا۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تحلیل و تحریم سب امر الٰہی کے تحت ہی بیان فرماتے تھے۔ آپ اللہ کے نام پر کچھ بیان فرمادیں یا اللہ کا نام لیے بغیر حلال و حرام کی کوئی بات کہیں۔ سب کا منبع و مرکز وحی الٰہی ہے متلو ہو یا غیر متلو پیغمبر کا اس میں اپنا دخل نہیں ہوتا۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی تمام باتوں کو قرآن کے اس فیصلے کی رو سے کہ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا (پ ۲۸ الحشر ع ۱) قرآنی تعلیمات ہی سمجھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رض نے ایک شخص کو سلے ہوئے کپڑوں میں محرم دیکھا تو منع فرمایا۔ اس نے قرآن کریم سے دلیل پوچھی تو آپ نے یہی آیت کریمہ پڑھی کہ جو چیز تمہیں رسول دے اُسے لے لو اور جس چیز سے اس نے روکا اس سے رُک جاؤ۔ [2]

اسی طرح آپ نے ایک مسئلہ کے بارے میں حدیث پڑھی تو ایک عورت نے ایسا ہی سوال کیا آپ نے پھر یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی یعنی یہ کہ قرآن کی رُو سے پیغمبر کی ہر بات تمہارے لیے سند ہے [3]

اس قسم کی روایات پتہ دیتی ہیں کہ صحابہ کرام رض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو خدا کی بات ہی سمجھتے تھے جب حدیث کے پیش ہونے پر قرآن کی سند طلب کرنا بے فائدہ ہے تو جو لوگ حدیث پیش ہونے کے بعد پھر اس پر عقلی دلائل مانگتے ہیں وہ مقام حدیث سے کس قدر بے خبر ہیں۔ حق یہ ہے کہ جب حدیث سامنے آجات

---

[1] ابن ماجہ ص ۳ [2] مواہب الرحمٰن پ ۲۸ ص ۱۲۷ و ترجمان السنہ جلد ۱ [3] مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۱

تو کوئی اور سند مانگنے کا تصور بھی ذہن میں نہ آنا چاہیئے۔

آنحضرت نے مذکورہ بالا حدیث میں منکر حدیث کا نقشہ جس صورت میں کھینچا ہے اس سے اس کی تکبر کی حالت عیاں ہے۔ معلوم ہوا کہ سند حدیث پر اکتفا نہ کرنا متکبرین کا شعار ہوگا۔ ایک طریق میں یہ الفاظ بھی ہیں الا یوشك رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهٰذا القرآن (رواہ ابوداؤد والدارمی بمعناہا)۔ خبردار رہو قریب ہے کہ ایک سیر شدہ (امیر) آدمی اپنے صوفے پر ٹیک لگائے کہے تمہیں اسی قرآن کی پابندی کرنی ہے جو اس میں حلال ہے اسے ہی حلال جانو اور جو اس میں حرام ہے اسے ہی حرام سمجھو" انتھی

حضرت عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ایحسب احدکم متکئا علی اریکته یظن ان اللّٰه لم یحرم شیاء الا ما فی هٰذا القرآن (مشکوٰۃ ص۲۹) ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی شخص صوفے سے ٹیک لگائے اس گمان میں ہوگا کہ حرام صرف وہی کچھ ہے جو قرآن میں ہے۔

حدیث کے مقابل کسی کی بات نہ مانے

ائمہ اربعہ جن کی اجتہادی امور میں امت میں تقلید جاری ہوئی اور جن کا قول ان کے مقلدین کے ہاں حجت اور سند سمجھا جاتا ہے ان سب کا بھی ارشاد ہے کہ حدیث صحیح سامنے آجائے تو ہماری بات فوراً چھوڑ دو۔ حدیث کے مقابل کسی کی بات مانے جانے کے لائق نہیں۔ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

فقد صح عنه انه قال اذا صح الحدیث فهو مذهبی وقد حکیٰ ذالك ابن عبد البر عن ابی حنیفة وغیرہ من الائمة ...... ونقله ایضاً الامام الشعرانی عن الائمة الاربعة ولا یخفی ان ذالك لمن کان اهلاً للنظر فی النصوص ومعرفة محکمها من منسوخها [1]

ترجمہ: حضرت امام صاحب سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

عبد البر نے بھی یہی امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے اماموں سے نقل کیا ہے۔ امام شعرانی نے ائمہ اربعہ سے یہی نقل کیا ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ یہ اس کے لیے ہے جس کی نصوص (کتاب و سنت) پر نظر ہو اور محکم اور منسوخ کو سمجھتا ہو یہ صحیح ہے کہ اس شخص میں جو حدیث کے بالمقابل اپنے امام کی بات چھوڑ رہا ہے حدیث سمجھنے کی پوری اہلیت ہونی چاہیئے۔ جو لوگ حدیث کے محض ترجمے پڑھ کر ائمہ کی بات کو ٹھکرانے لگتے ہیں اور فن حدیث اور اس خاص موضوع کی دیگر روایات پر نظر نہیں رکھتے انہیں چاہیئے کہ محض اپنی رائے سے اس روایت کو حدیث نہ سمجھیں بلکہ

---

[1] ردالمحتار جلد۱ ص

بات سمجھنے کے لیے راسخ العلم علماء کی طرف رجوع کریں تاہم یہ پھر بھی ضروری ہے کہ ان کے سامنے جو حدیث پیش ہو اس کے مقابل کوئی کلمہ جسارت زبان پر نہ آجائے۔ ہاں جب وسیع النظر عمیق العلم عالم کی دوسری احادیث پر بھی پوری نظر ہو اور پھر وہ دیانتداری سے محسوس کرے کہ اس میں میرے امام کی بات واقعی حدیث کے مقابل ہے تو پھر صرف حدیث ہی ہے جس کی اتباع کی جائے قول امام کو حدیث کے سامنے کوئی وزن حاصل نہیں مقلدین کے ہاں امام شریک فی الرسالۃ سمجھا جاتا ہے۔ سو اس صورتحال میں فقہ کی تعلیم یہی ہے کہ وہ شخص امام کی بات چھوڑ دے اور حدیث کی بات مانیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (۳۲۱ھ) اور امام کرخیؒ جیسے سادات حنفیہ نے اسی اصول پر کئی مواقع میں قول امام کو چھوڑا ہے۔ ہر وقت ملحوظ رہے کہ مقلدین کے ہاں قول امام ہرگز حدیث کے مقابلے میں نہیں لیا جاتا نہ ان کے ہاں ان کا امام معصوم سمجھا جاتا ہے اصول برحق یہی ہے کہ حدیث کے مقابل کسی کی بات نہ مانی جائے۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ضروری نہیں کہ اگر کچھ علماء نے کسی حدیث کے باعث قول امام چھوڑا ہو تو ضروری نہیں کہ اور سب علماء بھی ان کے ہم خیال ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دوسرے علماء راسخین کو کچھ اور احادیث ایسی مل گئی ہوں کہ انہیں قول امام کی صحت پھر متحقق ہو گئی ہو۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ ائمہ کا یہ ارشاد کہ حدیث کے بالمقابل ہماری رائے چھوڑ دو انہی لوگوں کے لیے ہے جو فہم حدیث میں اونچے درجے کے عالم ہوں، جو حدیث جانتے ہی نہیں انہیں حق نہیں کہ محض ترجمہ پڑھ کر مجتہدین پر بحثیں کرنے لگیں۔ اور ان کے فیصلوں پر جلد بازی میں خلاف حدیث ہونے کا فتویٰ دینے لگیں

حدیث کو وحی سمجھ کر پڑھا اور سنا جائے

قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے لیکن اس کا سرچشمہ اور مخزن و منبع بھی اللہ رب العزت کی ہی ذات ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(قال) ان الناس یقولون اکثر ابو ھریرۃ ولولا ایتان فی کتاب اللہ ما حدثت حدیثا ثم یتلو ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات ..... الی قولہ الرحیم۔ ان اخواننا من المھاجرین کان یشغلھم الصفق بالاسواق وان اخواننا من الانصار کان یشغلھم العمل فی اموالھم وان ابا ھریرۃ کان یلزم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشبع بطنہ یحضر ما لا یحضرون و یحفظ ما لا یحفظون (بخاری شریف ا)

ترجمہ: بے شک لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت حدیثیں روایت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اگر یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی بھی حدیث بیان نہ کرتا۔ پھر آپ نے وہ آیتیں پڑھیں۔ (۱) بے شک جو لوگ ہدایت اور ان روشن باتوں کو جو ہم نے اتاریں چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے بیان کر دیا وہ البتہ: بن

کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں ۔ (ا) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور (جو چھپایا تھا) بیان کردہ سو ہیں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں ثواب قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہوں رب۲ البقرہ ع ۱۹) (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا) ہمارے مہاجر بھائیوں کو مارکیٹوں میں آنے جانے کی مصروفیت رہتی اور انصار بھائیوں کو کھیتی باڑی کی مصروفیت روکے رکھتی اور ابو ہریرہ (یعنی میں) پیٹ بھو کا رکھے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پکڑے رہتا اور جہاں اور نہ جا سکتے وہاں بھی جاتا اور جو باتیں اور یاد نہ رکھ سکتے، انہیں بھی یاد رکھتا (سو اس لیے وہ زیادہ حدیثیں روایت کرتا ہے)

اس روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے صریح طور پر حدیث کو رب العزت کے ما انزلنا (جو ہم نے نازل کیا) میں داخل سمجھا ہے۔ آپ کے اس ارشاد پر صحابہ و تابعین میں سے کسی کا انکار ثابت نہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات حدیث کو وحی الٰہی سمجھ کر پڑھتے اور پڑھاتے اور سنتے اور سناتے تھے اور حضرت حسان بن عطیہ رضی اللہ عنہ نے تو اس پر جبریل۲ کے آنے کی بھی صراحت کر دی ہے۔

(قال) کان جبریل علیہ السلام ینزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالسنۃ کما ینزل علیہ بالقرآن ویعلمہ ایاھا کما یعلمہ القرآن (قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث للشیخ جمال الدین القاسمی الدمشقی ص۵۱ ۔

ترجمہ: حضرت جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم (کے قلب مبارک پر) سنت لے کر بھی اسی طرح اترتے تھے جس طرح قرآن کریم لے کر نزول فرماتے اور آپ کو سنت بھی اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح آپ کو قرآن سکھاتے تھے۔

حدیث پڑھتے میں ادب کو ملحوظ رکھے

قرأت حدیث کے وقت جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آئے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ساتھ کہے اور جہاں انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کا نام آئے وہاں بھی علیہ السلام پڑھے اور جب صحابہ رضی اللہ عنہ اور امہات المومنین کا نام گرامی آئے وہاں ترضی (رضی اللہ عنہ کہنا) کی پوری پابندی کرے۔

انبیاء کرام۲ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیات علم حدیث کا محور تھیں انہی کے گرد یہ سارا علم گھومتا ہے۔ ان کا پورا احترام نہ کیا جائے گا تو حدیث کا طالب علم کبھی ساحل مراد پر نہ اتر سکے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے دو طرفہ رضا

قرآن کریم میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے دو طرفہ رضا کا بیان ہے۔ ایک یہ کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور دوسرا یہ کہ وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ ان حضرات سے اللہ کا راضی ہونا ہی کافی تھا۔ رضوانٌ من اللہ اکبر سے آگے اور کس مقام رضا کی

ضرورت ہو سکتی ہے۔ لیکن اللہ رب العزت نے ان نفوس قدسیہ کے ایمان واخلاص کی اس طرح شہادت دی کہ محبت خداوندی میں ان حضرات کی طبیعت شریعت ہو چکی تھی اللہ اور رسول کی ہر بات ان کے لیے ان کی اپنی خوشیوں میں ایک نیا اضافہ ہوتا تھا وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر بات میں دل وجان سے راضی تھے۔

انسان جب کبھی کسی مقصد کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے تو دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں کچھ لوگ جوانمرد اور باہمت ہوتے ہیں وہ بلا تامل ہر طرح کی مصیبتیں جھیلتے ہیں لیکن ان کو جھیلنا جھیل لینا ہی ہوتا ہے۔ یہ بات نہیں ہوتی کہ مصیبتیں نہ رہی ہوں عیش وراحت ہو گئی ہوں کیونکہ مصیبت پھر مصیبت ہے۔ باہمت آدمی کڑوا گھونٹ بغیر کسی جھجک کے پی لے گا لیکن اس کی کڑواہٹ کی بدمزگی محسوس ضرور کرے گا لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں صرف باہمت ہی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ کچھ کہنا چاہیئے ان میں صرف ہمت وجوانمردی ہی نہیں بلکہ عشق وشیفتگی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں جھیلتے بلکہ عیش وراحت کی طرح ان سے لذت وسرور حاصل کرتے ہیں۔ راہ محبت کی ہر مصیبت ان کے عیش وراحت کی ایک نئی لذت بن جاتی ہے۔ اگر اس راہ میں کانٹوں پر لوٹنا پڑے تو کانٹوں کی چبھن میں انہیں ایسی راحت ملتی ہے جو کسی کو پھولوں کی سیج پر لوٹ کر نہیں مل سکتی۔ حتیٰ کہ اس راہ کی مصیبتیں جس قدر بڑھتی جاتی ہیں اتنی ہی زیادہ ان کے دل کی خوشحالیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ ان کے لیے صرف اس بات کا تصور کہ یہ سب کچھ کسی کی راہ میں پیش آرہا ہے اور اس کی نگاہیں ہمارے حال سے بے خبر نہیں عیش وسرور کا ایک ایسا بے پایاں جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس سرشاری میں جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت محسوس ہی نہیں ہوتی۔

یہ بات سننے میں عجب معلوم ہوتی ہوگی لیکن فی الحقیقت اتنی عجیب حالت نہیں بلکہ انسانی زندگی کے معمولی واردات میں سے ہے اور عشق ومحبت کا تو قدم قدم پر یہی حال ہے۔ بوالہوسی کا عالم بھی ان واردات سے خالی نہیں

حریف کاوش مژگان خونریزش نہ ناصح
بہ دست آور رگ جان ونشتر را تماشا کن

سابقون الاولون کی محبت ایمانی کا یہی حال تھا۔ ہر شخص جو ان کی زندگی کے سوانح کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انہوں نے راہ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوشحالی اور روح کے کامل سرور کے ساتھ اپنی پوری زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں ان میں سے جو لوگ اول دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب وروز کی جانکاہیوں اور قربانیوں کے پورے ۲۳/برس گزر گئے لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہوں۔ انہوں نے

مال وعلائق کی ہر قربانی اس جوش ومسرت کے ساتھ کی گویا دنیا جہان کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لیے فراہم ہوگئی ہیں اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوشی خوشی گردنیں کٹوادیں گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں موت میں تھی ؎۱

تعلیم حدیث میں یکطرفہ ترضی پر اکتفا علماء حدیث صحابہ کرامؓ کے نام پر دوطرفہ ترضی نہیں کہتے صرف رضی اللہ عنہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ قرآن کریم کے بظاہر خلاف ہے۔ قرآن کریم رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کہہ کر دوطرفہ اظہار رضا کرتا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ روایت حدیث میں صحابہؓ کا نام سند کے طور پر آتا ہے اور ہمارے لیے یہ بات کافی ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا۔ تبھی تو وہ ہمارے لیے سند بنے کہ ان کی پیروی سے ہم سے بھی اللہ راضی ہوگا۔ رہی یہ بات کہ وہ بھی خدا سے راضی ہوگئے، یہ ان کے اپنے محبوب خدا ہونے کا تذکرہ ہے۔ جس میں ہم ان کے اور خدا کے درمیان کسی پہلو سے دخل نہیں رکھتے۔ سو سنت اسلاف اسی طرح جاری ہوئی کہ ان کے اسماء گرامی کے بعد یکطرفہ ترضی کو کافی سمجھ لیا جائے۔

حدیث رسولؐ کو احادیث صحابہؓ سے علیحدہ نہ کرے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث کے عملی گواہ سمجھتے ہوئے ان کی مرویات کو روایات نبویؐ کے ساتھ ہی بیان کرے جہاں دو مختلف حدیثیں بظاہر مختلف یا متعارض ملیں تو وہاں صحابہؓ کے عمل سے فیصلہ لازم جانے۔

امام ابوداؤد السجستانی (۲۷۵ھ) لکھتے ہیں۔ اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ (بذل المجہود فی حل ابی داؤد ج۱ ص۳۶)

ترجمہ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف خبریں ملیں تو دیکھا جائے گا کہ آپ کے بعد آپؐ کے صحابہؓ نے کس پر عمل کیا یعنی وہ سنت باقیہ ہوگی اور دوسری جانب منسوخ یا مخصوص بالحالات سمجھی جائیگی

حضرت امام مالکؒ سے بھی سن لیجئے۔ اذا جاء حدیثان مختلفان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و بلغنا ان ابا بکر وعمر عملا باحدھما وترکا الآخر کان فی ذالک دلالۃ علی ان الحق فیما عملا بہ۔

حضرت صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ میں اور امام ابن شہاب زہریؒ (۱۲۴ھ) سماع حدیث اور طلب علم میں ساتھی تھے ہم دونوں نے حدیث لکھنے کا فیصلہ کیا اور حدیث لکھتے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث ہم تک پہنچیں ہم نے لکھیں پھر امام زہریؒ نے کہا نکتب ایضاً ما جاء عن اصحابہ فقلت لا لیس

؎۱ ترجمان القرآن ۲ ص۱۴۳

بسنة فقال بل هی سنة (قال) نکتب ولم اکتب نا نجح وضیعت

ترجمہ: ہم وہ روایات بھی لکھیں جو صحابہؓ سے آئی ہیں۔ میں (صالح) نے کہا نہیں وہ تو سنت نہیں (امام زہری نے کہا وہ بھی سنت ہیں۔ (صالح نے کہا) سو زہری نے تو روایات صحابہ بھی لکھیں اور میں نے نہ لکھیں، زہری کامیاب گئے اور میں ضائع ہوا۔

صالح بن کیسان کا یہ اعتراف بتلا رہا ہے کہ اب وہ بھی اس عقیدے پر آ گئے تھے کہ اعمال صحابہ سنت ہیں اور انہیں بھی اُمت تک پہنچانا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان نفوس قدسیہ کے آثار کو بھی حدیث کا ہی سرمایہ سمجھا جائے اور ان کا اس درجہ احترام ہو کہ ان کا عمل تعامل بھی دین کا پورا ماخذ سمجھا جائے، اور ان کا وہی احترام ہو جو صحابہ کرام رضؓ کا ہو سکتا ہے۔

امام مالک، امام احمد، امام بخاری، امام دارمی، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ابوعوانہ، امام ترمذی، امام نسائی، امام طحاوی اور امام بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہم من الائمۃ الکرام نے اپنی حدیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اعمال کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضؓ کے آثار و سنن کو بھی بڑی وقیع جگہ دی ہے اور بڑی تفصیل سے انہیں ذکر کیا ہے اور جگہ جگہ ان سے روایات کی ہیں، سو جو ان سے بے پرواہ رہا اس نے اپنے علم کو ضائع کیا۔

حضرت امام شعبیؒ (۱۰۳ھ) فرماتے ہیں۔

ماحدثوک عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخذ وابہ وما قالوا برأیهم فبل علیه

ترجمہ: علماء کرام تمہارے سامنے جو بات صحابہ رضی اللہ عنہ سے روایت کریں تو اسے لے لو اور جو بات وہ اپنی طرف سے کہتے ہیں تو اُسے جانے دو۔

امام اہل الشام امام اوزاعی (۱۵۷ھ) نے بقیہ بن الولید کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

یا بقیۃ العلم ماجاء عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ومالم یجئ عن اصحاب محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فلیس بعلم۔ مقدمہ اوجز المسالک صا

ترجمہ: اے بقیہ! علم وہی ہے جو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آئے اور جو ان سے نہیں آیا وہ علم ہی نہیں سو صحابہ رضؓ کا ادب وہی ہے جو ایک مسلمان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ فیض کا ہو سکتا ہے یہی وہ دائرہ ہے جس کا ہر نشان مرکز سے برابر نسبت رکھتا ہے حق یہ ہے کہ صرف انہی حضرات کے ذریعہ مرکز سے تعلق قائم رہ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ دائرہ اس مرکز نبوت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر ہی تو کھنچا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے۔ یہ حضرات بھی جیسا کہ گذارش کیا جا چکا ہے حدیث کا موضوع ہیں لہٰذا ان کی تعظیم و تکریم بھی تبعاً لازم ہے۔ قرآن کریم کی روشنی میں اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہوں۔

مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن پاک کی رُو سے

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب بایں جہت کہ آپ اللہ کے رسول ہیں سب پر لازم ہے اسی طرح صحابہ کرام کا ادب بھی بایں جہت کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں سب پر لازم ہونا چاہیئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و عظمت اور ان کے تقویٰ قلوب کے بارے میں قرآن کریم میں ہے۔

ان الذین یغضون اصواتہم عند رسول اللہ اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبہم للتقویٰ لہم مغفرۃ واجر عظیم۔ (پ ۲۶ ، الحجرات : ع ۱)

ترجمہ: "جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس وہی ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے (اللہ نے ادب کے واسطے سے) ان کے لیے معافی ہے اور بڑا ثواب ہے۔"

یہ خدا کی گواہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل تقویٰ کی دولت سے مالا مال تھے اللہ نے انہیں پوری طرح جانچ لیا تھا جو باتیں پہلے ان سے ہو چکیں اُن پر مغفرت کا وعدہ دے دیا اور آئندہ اعمال پر ان کے لیے اجر ہی اجر کی بشارت دی اور فرمایا کہ وہ بڑا اجر پائیں گے۔ تقویٰ کی بات اس طرح ان کے دلوں کے ساتھ لازم کی کہ گویا وہ ان کا جوہر ذات ہے اور حق یہ ہے کہ وہی حضرات ان کے زیادہ حقدار تھے۔ قرآن کریم میں ہے۔

الزمہم کلمۃ التقویٰ وکانوا احق بہا واھلہا (الفتح : پ ۲۶ ع ۴)

ترجمہ: "اور لازم کر دیا ان کے ساتھ کلمہ تقویٰ اور وہی اس کے زیادہ حقدار تھے اور اس کے اہل تھے۔"

کلمہ تقویٰ سے ان کی بصیرت چمک اٹھی تھی اور ادب رسالت سے ان کی بصیرت آسمانِ عروج پر پہنچی تھی اب ان کا ہر فعل اور ہر قول حقیقۃً علمِ رسالت کا ہی ترجمان تھا اور جو کچھ ان کا اجتہاد تھا اس کا مدار بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی رہی تھی۔

قرآن کریم جس احترام سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتا ہے اس سے لازم ہے کہ ان کی روایات ان کے ارشادات اور ان کے اعمال کو اسی عقیدت و بصیرت سے قبول کیا جائے جو عقیدت ان کی قرآن کریم مسلمانوں کے دلوں میں بٹھاتا ہے۔ اگر ان حضرات کی ذوات صدق و صفات حدیث کا موضوع نہ ہوتیں تو قرآن کریم اس طرح انہیں آئینہ عظمت میں نہ اتارتا۔ حق یہ ہے کہ یہی حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے سنن و نوامیس کے حافظ و وارث تھے۔